

کی یاد اس غزل میں تازہ کی گئی ہے۔

وہ دور اب کہاں، جب فراق کو فراق اور وصال کو وصال سمجھتا تھا؟
یعنی جب عشق کا زور تھا، محبوب سے جدائی تڑپاتی تھی اور اس کا وصال آرزوؤں
اور تمنائوں کے لیے روز عید تھا۔ وہ راتیں، وہ دن، وہ مہینے اور وہ سال اب
کہاں ہیں؟ سب رخصت ہو گئے۔

۲۔ شرح : اب یہ حالت ہے کہ شوق کے کاروبار اور اس میں مشغولیت
کے لیے فرصت ہی نہیں رہی۔ محبوب کے جمال سے لذت اندوز ہونے کا ذوق
ہی باقی نہیں رہا۔

۳۔ شرح : دل کا تو ذکر ہی کیا، پہلے جیسا دماغ بھی باقی نہیں رہا۔ حسن
کے خط و خال دیکھ کر جو بخود می اور دیوانگی طاری ہوتی تھی، وہ اب کہاں باقی ہے؟
۴۔ شرح : جب عشق زوروں پر تھا تو خیالات میں رنگینی، رعنائی اور
شوخی نمایاں تھی۔ اب وہ حالت کہاں؟ یہ کیفیت صرف ایک شخص کے تصور پر
موقوف تھی۔

مولانا طباطبائی نے صحیح فرمایا ہے کہ اس شعر میں "اک شخص" کا لفظ بہت
بلیغ ہے۔ اگر اس کی جگہ "اک شوخ" کہا ہوتا تو یقیناً محبوب کی تعریف نکلتی، لیکن
ساتھ ہی ظاہر ہوتا کہ ابھی تک ذوق و شوق باقی ہے، لیکن یہ مقتضائے مقام کے
خلاف ہوتا، کیونکہ یہاں ذوق و شوق کی نفی منظور ہے اور اس کا تقاضا یہی ہے کہ
لگن کی خفیف سی کیفیت بھی باقی نہ رہے۔

۵۔ شرح : لہور و نا آسان نہ سمجھا جائے، دل میں طاقت و قوت ہو اور
جگر اپنے اصل حال میں ہو، یعنی اس میں خون موجزن ہو، اس وقت لہور و یا جاسکتا
ہے۔ جب دل و جگر اپنی ہر چیز کھو چکے ہیں تو لہور کیونکر روایا جائے۔

اس مقام پر لفظ "آسان" نے نظیر سی کا ایک شعر بے اختیار یاد دلایا :